مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

فَاَتَا هُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

''تو اللہ اُدھر سے اُن پہ آن پہنچا جدھر سے گمان ہی ان کو نہ تھا۔'' (القرآن)

طالبان کا اپنے نزدیک قلع قمع کر کے جب ۲۰۰۳ء میں امریکی برطانوی حکومتوں نے عراق کی سیدھ باندھی اور دنیا بھر کی سُنی اَن سُنی کرنے کا رُخ دکھایا تو برطانیہ کے سمجھداروں نے جنگِ عظیم اوّل کے حوالہ سے ۱۹۲۰ کا تجربہ یاد دلایا کہ کس طرح عراق کے قوم پرستانہ جذبے نے برطانیہ کو مجبور کر دیا تھا کہ اس سرزمین پر مزید سامراجی عزائم سے دستبردار ہو اور رختِ سفر باندھے۔ مگر کچھ ایسی چڑھی ہوئی تھی (چڑھائی ہوئی جس کی بھی ہو) کہ بُش تو کیا بلیر نے بھی سن کے نہ دیا۔ اور بزن بول دیا گیا۔ سمجھا یہ گیا تھا کہ اس وقت کے حالات اور ہیں کُرد تو پہلے ہی سے ممنونِ احسان ہو کر جیب میں ہیں۔ اور شیعہ جو ۱۹۹۱ء کی ناکام بغاوت کا زخم کھائے پڑے ہیں، اور انہیں کے پچاسوں نمائندے واشنگٹن میں برسوں سے پڑے پاؤں پکڑ رہے ہیں کہ خدا کے لیے اُدھر چل' کہ ہمیں صدام سے نجات دلایئے، وہ بھی لازماً اھلاً وسھلاً مرحبا کہتے، ہار پھول لیے فرشِ راہ ہو جائیں گے۔ مگر صدام حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ خواب جو محض ایک خواہش مندانہ (Wishful) خواب تھا' بے مزہ ہونا شروع ہو گیا۔ شیعہ اکثریت کا علاقہ ایران سے ملتا اور گہرا ایرانی نفوذ رکھتا تھا۔ اور ایران سے امریکہ کے تعلقات کی نوعیت معلوم! پھر صدام حکومت کے خاتمہ اور سرکاری مزاحمت کے میدان سے غائب ہو جانے پر مزاحمت کا ایک نیا عنصر وہاں رضا کار مجاہدین کی شکل میں رونما ہوا، اور کچھ ایسا ''ابابیلوں' والا کردار انھوں نے ادا کرنا شروع کیا کہ خواب کے بالکل ہی چکنا چور ہونے کی داغ بیل وہاں سے پڑ گئی۔

اس نئی مزاحمت کا مرکز عراق کا شیعہ فلوجہ تھا۔ اس مرکز کی کارکردگیوں سے بھنّا کر جب اس کو تہس نہس کر دینے کی ٹھانی گئی اور جو ٹھانی تھی وہ باوجود رمضان ہونے کے پوری بے رحمی اور بیدردی سے تکمیل کو پہنچائی گئی مگر عین انہیں دنوں میں کہ اس شہر فلوجہ کو بزعمِ خود نشانِ عبرت بنا کے رکھ دیا گیا تھا۔ برطانوی پریس کے ممتاز تجزیہ نگار Jenkins Simon نے ۷ار نومبر ۲۰۰۴ء کے اخبار ''دی ٹائمز'' لندن میں عراق پر امریکی چڑھائی کو ماسکو پر نپولین بوناپارٹ کی چڑھائی سے تشبیہ دیتے ہوئے اس وقت کے ایک روسی جنرل کا یہ قول امریکی صدر بش اور ان کے ساتھ لگ جانے والے اپنے وزیرِ اعظم مسٹر بلیر کو یاد دلایا تھا کہ '' ماسکو ایک اسپنج ہے جو نپولین کو چوس کر رکھ دے گا۔'' (that will suck Napoliean......dry) اور لکھا کہ یہی اسپنج کا وہ رول ہے جو سُنی عراق امریکہ کے سلسلہ میں ادا کر رہا ہے۔ آگے مضمون ختم کرتے ہوئے جینکنس نے لکھا کہ:

''کسی کو نہیں خبر ہے کہ عراق میں کیا ہونے جارہا ہے، اربابِ حکومت میں تو یقیناً کسی کو نہیں۔ سو ہم بس

امید ہی لگا سکتے ہیں کہ جارج بش مارکاٹ کی مشق سے جلد ہی تھک جائیں گے اور اپنی فوج اس وقت سے پہلے کہ ان کا یہ آخری صدارتی ٹرم بدانجامی پر تمام ہو عراق سے نکالیں گے۔‘‘

''No body knows what is going to happen in Iraq. Certainly no body in any government . We can only pray that Georg Bush will soon tire of the killing and with draw his troops before his final term of office is belighted by it."

(The Times London 17.Nov.2004)

اور اب تک کی ساری سازیوں، لن ترانیوں اور ’’میں نہ مانوں‘‘ کے باوجود بالآخر یہی ہونے کے کھلے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ زبان سے بے شک ہار نہ ماننے اور کام پورا کر کے رہنے کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن اندر کیا ہوتا رہا، وہ بھی بالآخر باہر آ گیا۔ امریکی کانگریس کی ایک ایسی اعلیٰ سطحی کمیٹی، جو خود صدر بش کی منظوری سے، ان کی پارٹی کے نہایت سینئر رکن۔ ان کے والد کے دورِ صدارت کے وزیرِ خارجہ، مسٹر جیمس بیکر، کی سربراہی میں عراق کے مسئلہ کا جائزہ لینے اور سفارشات پیش کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی، اس کمیٹی نے اخباری رپورٹ کے مطابق (جس کی تردید نہیں کی گئی) صورتِ حال کا جائزہ یہ پیش کیا ہے کہ عراق سے جلد از جلد نکل آنے کی راہیں اختیار کرنے کے سوا کوئی گنجائش امریکہ کے لیے نہیں رہ گئی ہے اور کئی متبادل تجویزیں اس سلسلہ میں اس نے پیش کی ہیں۔ اور یہی بلکہ اس سے بھی گئی گزری صورتِ حال برطانیہ میں ہے۔ برطانیہ فوج کے حال ہی میں تقرر یافتہ سربراہِ اعلیٰ جنرل سر رچرڈ ڈینٹ نے تمام روایات سے باہر جا کر اسی ماہ اکتوبر میں پبلک طور کہہ ڈالا ہے کہ عراق کی صورت حال وہاں موجود برطانوی فوج کے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے۔ ہمیں وہاں سے جلد از جلد نکل آنا چاہیے۔ یہ وہ بات تھی جسے آئین و قانون پسند برطانیہ میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اور حزبِ مخالف کے سابق اہم لیڈروں میں، اس سوشل ڈیماکریٹک پارٹی کے سابق سربراہ، لارڈ پیڈی ایش ڈاؤن نے، جو اوّل دن سے عراق مہم کی مخالف تھی، جنرل کے اس بیان کو قطعی طور آئین شکنی قرار دیتے ہوئے اپنی پارٹی سے کہا ہے کہ اسے جنرل کے اس آئین شکن بیان سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔

یہ بات پیڈی ایش ڈاؤن سے پہلے پرائم منسٹر بلیر کے کہنے کی تھی جن کے ماتحت سر ڈینٹ کام کر رہے ہیں۔ مگر یہ وہ وقت تھا کہ مسٹر بلیر میں پرائم منسٹر والا طنطنہ ختم ہو چکا تھا۔ پارٹی کے اندر عراقی مہم جوئی کی سرگرم مخالفت کے مقابلہ میں اب تک وہ ایک اندازِ بے اعتنائی کا اظہار اس بنیاد پر کرتے چلے آ رہے تھے کہ اکثریت بہر حال ان کے ساتھ تھی۔ لیکن امسال ستمبر کی سالانہ کانفرنس کا موقع آتے آتے انہیں اندازہ ہو گیا کہ اب پارٹی میں انہیں عراق پالیسی کے حوالہ سے ایک بوجھ اور Liability سمجھنے والوں کا حلقہ وسیع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کانفرنس میں وہ مخالفین کے مطالبہ کی تعمیل میں لیڈر شپ سے دستبرداری کے سلسلہ میں اس اعلان پر مجبور ہو گئے کہ ۱۲ مہینے کے اندر وزارتِ عظمیٰ چھوڑ دیں گے۔ یہ ہے حالات کا وہ پس منظر (جس میں اب وہ بس نام کے وزیرِ اعظم تھے) کہ ان کے ماتحت فوجی سربراہ کو کوئی دِقت وہ کہنے میں نہیں رہتی تھی

جو اس نے کہہ دیا۔اور بلیر اپنے اندر بوتا نہیں پاسکتے تھے کہ اس پر احتساب کا قدم اٹھائیں۔(اب تک وہ دستبرداری کی تاریخ نہ دینے کا یہی جواز دیتے تھے کہ اس سے حکومت کی اتھارٹی کمزور ہوجائے گی) مگر سیاستدان منجھے ہوئے تھے۔ احتساب کے بجائے موصوف نے جنرل ڈینٹ کی بات کا ''مطلب'' بیان کیا، جس کو لوگوں نے سمجھا نہیں تھا، اور کہا کہ وہ کمانڈر جنرل سے حرف بحرف متفق ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور ٹرک (Trick) بھی انہوں نے پبلک توجہ اس مسئلہ سے ڈائیورٹ کرکے دوسری سمت لگانے کے لیے کھیلی اور وہ بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ڈوبتا اس وقت ہر شئے کا سہارا لینے کی راہ پر ہے۔ ملک کے بالکل انٹیریر (مقامی اصطلاح میں کنٹری سائڈ) کے ایک جونیئر اسکول کی ایک اسسٹنٹ ٹیچر مسلم خاتون کے بارے میں انہیں دنوں خبر نکلی تھی کہ کلاس میں بھی چہرہ پر نقاب رکھنے کے اصرار پر ان کو معطل کرکے معاملہ متعلقہ ٹربیونل کو ریفر کردیا گیا ہے۔ انٹیریر کا قصہ تھا اور وہ بھی ایک جونیئر اسکول کا، کوئی نمایاں اہمیت اس کو میڈیا میں ملنے کا سوال نہ تھا، مگر ایک ہی ہفتہ پہلے مسٹر بلیر کے سابق وزیرِ خارجہ (اور موجودہ لیڈر آف دی ہاؤس) جیک سٹرا مسلم خواتین کے نقاب پر ایک سخت ریمارک سے ایک ایشو اسے میڈیا کے لیے بنا چکے تھے۔ اس ماحول میں یہ معمولی معطلی کی خبر اخبارات کے صفحۂ اوّل کی خبر بن گئی۔ جیک سٹرا مسلم دوست شمار کیے جانے والے سینئر لیبر لیڈر رہے۔ ان سے ہرگز ایسی بات کی سیاسی ہی نہیں اخلاقی لحاظ سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ متعدد سنجیدہ اور سینئر لیبر اور غیر لیبر لیڈروں اور ایم پیز کی طرف سے اس کی مذمت کے بیانات اخبارات میں آئے ہیں۔ بھلا کوئی سوچ سکتا تھا کہ برٹش وزیراعظم کو ایک دور دراز ٹاؤن کے جونیئر اسکول کے معاملہ میں بھی رائے زنی مناسب معلوم ہوسکتی ہے؟ پھر معاملہ بھی مسلم کمیونٹی کی نہایت نازک مذہبی حس سے تعلق رکھنے والا، کہ کمیونٹی میں خاتون کے نقاب پر اصرار سے اتفاق اور عدم اتفاق سے قطعِ نظر شدید برہمی اس معاملہ کو ایشو بنانے پر ہے۔ اس سب کے باوجود مسٹر بلیر نے اسی پریس کانفرنس میں جس میں وہ سرڈینٹ کے ریمارکس پر اظہارِ خیال کررہے تھے اس جونیئر اسکول والے معاملہ میں بھی سوال کا جواب دیتے ہوئے اسکول اتھارٹیز کے اقدام کی حمایت کا برملا اظہار کرڈالا۔ (۱۸/ اکتوبر کے گارڈین میں پریس کانفرنس کی خبر کی سرخی تھی: "Blair backs suspension of class assistant in debate over veil") کہاں وزارتِ عظمٰی کا منصب اور کہاں یہ جونیئر سکول کا قضیہ؟ مگر یہ موقع یقیناً خوب تھا کہ ایک ڈیبیٹ، اچھی یا بری، جو ملک کا مرکزِ توجہ بن رہی ہے۔ اس کی آنچ اپنے ریمارکس سے تیز تر کردی جائے کہ سرڈینٹ کے ریمارکس اس میں گم ہوجائیں۔

خیر، عراق میں صورتِ حال یوں تو بہت دن سے صاف دکھا رہی تھی کہ امریکہ اور برطانیہ کو دعا کی ضرورت ہے۔ مگر یہ صورت جو اس ماہ اکتوبر ۲۰۰۶ء میں رونما ہوئی اس میں صاف دخل افغانستان کی تازہ صورتِ حال کو ہے، جس نے دو ہی مہینے کے اندر امریکہ اور اس کے اتحادیوں، خاص کر برٹین کی نیندیں خراب کردی ہیں اور رائے عامہ بآوازِ بلند پکارنے لگی کہ بس بہت ہوگیا، اب گھر کو آؤ۔ اپنے نزدیک یہ لوگ طالبان کا ''مردہ'' دفن کرآئے تھے۔ اور اتنا وقت گزر گیا تھا کہ

ان کی مُردنی کی طرف سے اطمینان ہو چکے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فقط اس اطمینان کا نتیجہ تھا یا کچھ مصالح کا تقاضا ہوا (اور ہونا مصالح ہی کا تقاضا چاہیے کہ تباہ کر کے تعمیر کے کام میں بڑی منفعت بین الاقوامی خزانہ سے ملتی ہے) الغرض وہاں تعمیرِ نو (Reconstruction Work) کی مہم شروع کرنے کے لیے موزوں نوعیت کے فوجی یونٹ بھیج دیئے گئے۔ اور ان یونٹوں کو مردہ سمجھے گئے طالبان سے جونا گاہ واسطہ پڑا تو وہ ایسا واسطہ ثابت ہوا کہ برطانوی کمانڈر جن کے ہاتھ میں وہاں کے کام کی سربراہی تھی بے تکلف اور بآوازِ بلند چلا رہے ہیں کہ ایسی سخت (صحیح لفظوں میں ہوش رُبا) مزاحمت ہے کہ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

یہاں جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال کی بات یاد آتی ہے جو دسمبر ۲۰۰۴ء کے نگاہِ اوّلین میں نقل ہوئی تھی اور بالکل قلندرانہ ثابت ہوئی جا رہی ہے۔ یہ غالباً جون ۲۰۰۴ء کا وقت تھا، ہمارے استاذ زادہ محترم مولانا سمیع الحق کی کتاب متعلقہ جہادِ افغانستان کی تقریبِ رونمائی میں حصہ لے رہے تھے۔ اس تقریب کے حوالہ سے الفرقان میں نقل کیا گیا تھا کہ:

> ''مذکورہ تقریب میں کی گئی تقریر کی رپورٹ کے مطابق جاوید اقبال صاحب نے روس (سویٹ یونین) کی تحلیل کے نتیجہ میں بیلنس آف پاور ختم ہو جانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ نے جو چنگیزیت اختیار کر رکھی ہے۔ وہ اسی (خلا) کا نتیجہ ہے۔ اور پھر سوال اٹھایا کہ اس کا مقابلہ جو دنیا کی ایک ناگزیر ضرورت ہے' کیسے کیا جائے؟ اس ضمن میں وہ روس، چین اور یورپ کو فی الحال بے بس محسوس کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچنے کا اعلان کرتے ہیں کہ یہی چیز جسے اس وقت ٹیررازم کہا جا رہا ہے۔ یہ دراصل اس خلا کو اس وقت پُر کر رہی ہے۔ موصوف کے اپنے الفاظ میں: ''یہی ٹیررازم جو اسے وہ کہتے ہیں، یا میں اُسے جہادِ اسلامی کہتا ہوں۔ یہ جاری رہے گا۔ اور اسی وجہ سے میرے نقطۂ نگاہ کے مطابق یہ (جہاد) دنیا کو بیلنس آف پاور فراہم کر رہا ہے......''

تو فرزندِ اقبال کی بات واقعی قلندرانہ ثابت ہوئی جا رہی ہے۔ وقت کے چنگیزوں پر ضیق کا عالم طاری ہے کہ کیونکر اپنے ہی بُنے ہوئے جال سے نجات کی راہ پائی جائے؟ اور اللہ جب چاہتا ہے تو ظالموں پر ابابیلوں کے ہاتھ سے بھی راہِ فرار بند کر دیتا ہے۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501